COURSE:B.A Hons

Part:1 Paper:2

Topic:MARSIYA

Prepared by:NEMAT SHAMA

Marsiya Fan aur Rewayat

مرثیہ-فن اور روایت

تمہید:

مرثیہ اردو کی نہایت مقبول صنف ہے۔اس کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی انسانی زندگی کی تاریخ۔یہ عربی زبان کے لفظ''رثا'' سے مشتق ہے۔''رثا'' بین کو کہتے ہیں اور عام طور سے اظہارغم کے لئے مخصوص ہے۔اس کے لغوی معنی میت پر رونے کے ہیں،مگر اصطلاحی حیثیت سے یہ لفظ عربی شاعری کی اس صنف کے لئے استعمال ہوتا ہے جو کسی کی موت سے متاثر ہو کر قلم بند کی جائے اور جس میں مرنے والے کا ذکر نہایت رنج والم کے ساتھ کیا جائے،اور اس کی خوبیاں بیان کرکے اس کی موت پر کف افسوس ملا جائے۔الطاف حسین حالی نے ایک جگہ لکھا ہے کہ زندہ افراد کی تعریف میں کہی جانے والی نظم قصیدہ اور مردہ افراد کے غم میں قلم بند کی جانے والی نظم مرثیہ ہے۔تاریخ عالم کا مطالعہ بتا تا ہے کہ جو حالات وعوامل کربلا کے سانحے کا سبب بنے اور جیسی عظیم قربانی سید الشہدا امام حسینؑ اور ان کے جاں نثاروں نے مصائب وآلام جھیل کر شجاعت و بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے حق پر جان دے کر پیش کی اس طرح کی خوں چکاں داستان کی مثال دنیا میں اور کہیں نہیں ملتی۔

مرثیہ کی اصطلاح:

مرثیہ کی اصطلاح اردو میں فارسی کی رہین منت ہے۔چونکہ فارسی شاعری عربی شاعری کے زیر اثر اور اردو شاعری فارسی شاعری کے زیر اثر پروان چڑھی اس طرح اردو مرثیے کی تاریخ بھی عربی مرثیے سے جا ملتی ہے۔یہ صنف جس قدر قدیم ہے اسی قدر مقبول بھی ہے۔فنی نقطہ نظر سے اسے دیگر اصناف سخن کے مقابلے میں عظمت و وقار حاصل ہے۔اس کا آغاز دکن سے ہوتا ہے۔دیگر اصناف سخن کی طرح اردو کے قدیم ترین مرثیے اسی سرزمین میں لکھے گئے۔صوفیائے کرام کی سرپرستی میں یہ صنف پروان چڑھی اور دیکھتے دیکھتے باوقار حیثیت کی حامل قرار پائی۔

مرثیہ کیا ہے؟:

جیسا کہ ذکر ہوا واقعہ کربلا کے بعد ایسی نظم جس میں سید الشہدا امام حسینؑ اور ان کے رفقا کی شہادت اور میدان کربلا سے متعلق دیگر دردانگیز واقعات کا بیان ہو، مرثیہ کے لئے مخصوص ہوگئی۔ اور لفظ ''مرثیہ'' سے ذہن خود بخود شہادت اہل بیت اطہار کی طرف منتقل ہونے لگا۔ اگر مرثیہ میں کسی فرد خاص یا افراد کا تذکرہ ہو اور وہ واقعات کربلا یا محمدؐ وآل محمدؐ سے متعلق نہ ہو تو اسے ''تعزیتی نظم'' کہتے ہیں۔ اردو ادب میں کچھ ایسی نظمیں بھی ملتی ہیں، جیسے غالب کے بھتیجے عارف کی موت پر تصنیف کردہ غالب کا ''مرثیہ عارف'' اور غالب کی موت پر حالی کی نظم کا شمار ''شخصی مرثیے'' کے ذیل میں ہوتا ہے۔ مگر مرثیہ اور واقعات کربلا اس طرح آپس میں شیر وشکر اور لازم وملزوم ہوگئے اور واقعات کربلا سے متعلق مرثیے اتنی تعداد میں اور اس درجہ ادبی خصوصیات کے ساتھ قلم بند کئے گئے کہ ادبی تاریخ وتنقید میں مرثیہ ایسی نظموں کے لئے مخصوص ہوگیا جو واقعات کربلا کا احاطہ کرتی ہوں۔

مرثیے کے اجزائے ترکیبی درج ذیل ہیں:-

(۱) چہرہ:

''چہرہ'' دراصل مرثیہ کی تمہید ہے۔ اس میں صبح کا منظر، رات کی فضا، موسم کا بیان خصوصاً گرمی کی شدت، سفر کی دشواریاں، حمد ونعت ومنقبت اور شاعرانہ تعلّی سے پُر اشعار پائے جاتے ہیں۔ انیس کے شامل نصاب مرثیہ کا ''چہرہ'' اس طرح ہے:

نمک خوان تکلم ہے فصاحت میری — ناطقے بند ہیں سن سن کے بلاغت میری
رنگ اڑتے ہیں وہ رنگیں ہے عبارت میری — شور جس کا ہے وہ دریا ہے طبیعت میری
عمر گزری ہے اسی دشت کی سیاحی میں
پانچویں پشت ہے شبیر کی مداحی میں

(۲) سراپا:

اس حصے میں عموماً مرثیہ کے ہیرو کے قدوقامت اور خال وخط کا بیان ہوتا ہے نیز ظاہری و باطنی خوبیوں کا اظہار ہوتا ہے۔ سراپا لکھنے میں شاعر اپنا زور قلم صرف کرتا ہے جس سے ایک طرف اس کی حسینی لشکر سے محبت وعقیدت کا اظہار ہوتا ہے تو دوسری طرف یزیدی لشکر کے تئیں اظہار تنفر بھی ہوتا ہے:

اک طرف اکبر مہرو سا جوان نایاب — کچھ جو بچپن تھا تو کچھ آمد ایام شباب
روشنی چہرے پہ ایسی کہ خجل ہو مہتاب — آنکھیں ایسی کہ رہا نرگس شہلا کو حجاب
جس نے ان گیسوؤں میں رخ کی ضیا کو دیکھا
شب معراج میں محبوب خدا کو دیکھا

(۳) رخصت:

لشکر حسینی سے جب کوئی جاں باز وجاں نثار سر سے کفن باندھ کر میدان جنگ کی طرف جانے کا ارادہ کرتا ہے اور لشکر حسینی کے مردوزن اسے حسرت ویاس مگر جذبہ ایمانی کے ساتھ الوداع کہتے ہیں تو اس منظر کو ''رخصت'' کہتے ہیں:

تھم کے چلائے کہ اے زینب وام کلثوم　　تم سے رخصت کو پھر آیا ہے حسین مظلوم
اب مرے قتل کے درپے ہے یہ سب لشکر شوم　　ہاں جگا دو اسے غش ہو جو سکینہ معصوم
نہیں ملتا جو زمانے سے گزر جاتا ہے
کہہ دو عابد سے کہ مرنے کو پدر جاتا ہے

(۴) آمد:

ہیرو کا میدان جنگ کی طرف گھوڑے پر شان وشوکت سے سوار ہو کر آنے کا منظر ''آمد'' کہلاتا ہے۔ یہ منظر زیادہ طویل نہیں ہوتا۔ اکثر وبیشتر اس میں گھوڑے کی تعریف بھی کی جاتی ہے:

کہہ کہ یہ باگ پھرائی طرف لشکر شام　　پڑ گیا خیمہ ناموس نبی میں کہرام
رن میں گھوڑے کو اڑاتے ہوئے آئے جو امام　　رعب سے فوج کے دل ہل گئے کانپے اندام
سر جھکے ان کے جو کامل تھے زباں دانی
میں
اڑ گئے ہوش فصیحوں کے رجز خوانی میں

(۵) رجز:

ہیرو کی زبان سے جنگ شروع ہونے سے قبل فوج مخالف کو للکارنا، اپنے آبا واجداد کی شجاعت، جواں مردی، دینداری اور قوت ایمانی وغیرہ کا بیان ''رجز'' کہلاتا ہے۔ مرثیہ نگاروں نے اس باب میں فصاحت وبلاغت کے دریا بہا دئے ہیں:

تھا یہ نعرہ کہ محمد کا نواسا ہوں میں　　مجھ کو پہچانو کہ خالق کا شناسا ہوں میں
زخمی ہونے سے نہ مرنے سے ہراساں ہوں میں　　تیسرا دن ہے یہ گرمی میں کہ پیاسا ہوں میں
چین کیا چیز ہے آرام کسے کہتے ہیں
اس پہ شکوہ نہیں کچھ صبر اسے کہتے ہیں
اس کا پیارا ہوں جو ہے ساقی حوض کوثر　　اس کا بیٹا ہوں جو ہے فاتح باب خیبر
اس کا فرزند ہوں کی جس نے مہم بدر کی سر　　اس کا دلبر ہوں میں دی جس کو نبیؐ نے دختر
صاحب تخت ہوئے تیغ ملی تاج ملا
دوش احمدؐ پہ انہیں رتبۂ معراج ملا

(۶) جنگ:

یہ مرثیہ کا نہایت اہم حصہ ہوتا ہے۔ اس میں حرب وضرب کے مضامین نہایت فنکارانہ انداز سے پیش کئے جاتے ہیں۔ جنگ کی تمام تفصیل اور تمام جزئیات کا بیان ہوتا ہے۔ جیسے گھوڑے کی تعریف، تلوار کی تیزی اور چمک، نیزوں کی کڑک وغیرہ کے مناظر اس انداز سے بیان ہوتے ہیں کہ میدان جنگ کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے:

تن تنہا شہ دیں لاکھ سواروں سے لڑے　　　بے سپر برچھیوں والوں کی قطاروں سے لڑے
صورت شیر خدا ظلم شعاروں سے لڑے　　　دو سے اک لڑ نہیں سکتا یہ ہزاروں سے لڑے
گر ہو غالب تو ہزاروں پہ وہی غالب ہو
جو دل و جان علی ابن ابی طالب ہو

(۷) شہادت:

جنگ کے مناظر کی انتہا ہیرو کی شہادت پر ہوتی ہے۔ فوج مخالف سے جنگ کرتے کرتے لشکر حسینی کا ہیرو زخموں سے چور چور ہو کر نڈھال ہو جاتا ہے اور آخر کار شہادت کی منزل تک پہنچتا ہے۔ یہ وہ مقام ہوتا ہے جس کا مرثیہ کا سامع شدت سے منتظر ہوتا ہے۔ مرثیہ کے اس حصہ کو حاصل مرثیہ بھی کہا جا سکتا ہے:

نہ رہا جب کہ ٹھہرنے کا فرس پر یارا　　　گر پڑا خاک پہ وہ عرش خدا کا تارا
غش سے کچھ دیر میں اٹھا جو علی کا پیارا　　　نیزہ سینے پہ سنان ابن انس نے مارا
واں تو نیزے کی انی پشت سے باہر نکلی
یاں بہن خیمے کی ڈیوڑھی سے کھلے سر نکلی

(۸) بین:

ہیرو کی لاش پر اس کے عزیز واقارب بالخصوص عورتوں کی گریہ وزاری کو ''بین'' کہتے ہیں۔ یہ حصہ عام طور سے مرثیہ کا آخری حصہ ہوتا ہے اور رنج والم کے جذبات کی عکاسی سے بھرپور ہوتا ہے۔ شاعر کا کمال یہ ہے کہ وہ اپنے زور قلم سے اس آخری حصے کو اس قدر پُر اثر بنا دے کہ اس کے بعد مجلس برپا ہو جائے:

رو کے چلائی کہ ہے ہے مرے مظلوم حسین　　　فوج اعدا میں ترے قتل کی ہے دھوم حسین
کچھ مجھے آنکھوں سے ہوتا نہیں معلوم حسین　　　ہائے میں رہ گئی دیدار سے محروم حسین
مڑ کے دیکھو کہ مصیبت میں پڑی ہوں بھائی
ننگے سر بلوۂ اعدا میں کھڑی ہوں بھائی

دکن میں اردو مرثیہ کی روایت:

دکن میں ابتدائی دنوں میں مرثیہ کے لئے کوئی ہیئت مقرر نہیں تھی۔ غزل، مثنوی، مخمس، دوبیتی، مثلث، مربع اور دیگر

ہیئتوں میں مرثیے قلم بند کئے جاتے تھے۔سولہویں صدی کے اوائل میں تخلیق کی گئی اشرف بیابانی کی تقریباً اٹھارہ سو(۱۸۰۰) اشعار پر مبنی ''مثنوی نوسرہار'' (۱۵۰۳ء/۹۰۹ھ) کو عام طور پر مرثیہ کا نقطہ آغاز تسلیم کیا جاتا ہے۔یہ مثنوی سانحہ کربلا سے متاثر ہوکر لکھی گئی ہے۔کہا جاتا ہے کہ اشرف بیابانی اس وقت کی مجلسوں میں خود اپنا تخلیق کردہ یہ مرثیہ پڑھتے تھے۔یہ ایک ''شہادت نامہ'' ہے جو بقول ڈاکٹر نصیر الدین ہاشمی وجہی سے تقریباً سو سال پہلے کی تصنیف ہے۔اس لئے اشرف بیابانی کو پہلا دکنی مرثیہ گو قرار دیا جاسکتا ہے۔اس مثنوی میں واقعات کربلا کو کچھ انداز سے بیان کیا گیا ہے جو آج کے مروجہ واقعات سے مختلف ہیں۔پھر آگے چل کر اس صنف میں برہان الدین جانم ،محمد قلی قطب شاہ، وجہی،نوری اور افضل وغیرہ کے نام آتے ہیں۔وجہی کو ہم قطب شاہی دور کا پہلا باضابطہ مرثیہ گو تسلیم کر سکتے ہیں۔وجہی کا جو قصیدہ عام طور سے دستیاب ہوتا ہے وہ غزل کی ہیئت میں ہے۔اور اختصار کے ساتھ لکھا گیا ہے:

حسین کا غم کرو عزیزاں
انجو نین سوں جھڑو عزیزاں

حسین پو یاران درود بھیجو
کہ دین کا یو ، دیوا جلایا

تمھارے وجہی کوں یا اماماں
نہیں تمن بن یو اس کو سایا

محمد قلی قطب شاہ کے کلیات میں بھی چند مرثیے ملتے ہیں۔یہ مرثیے بھی غزل کی ہیئت میں ہیں اور سوز وگداز کا پہلو لئے ہوئے ہیں۔یہیں سے مرثیے میں ترفع اور ادبی چاشنی کا آغاز بھی ہوتا ہے۔

لہو روتی ہیں بی بی فاطمہ اپنے حسیاں تئیں
اور لہو لالی کا رنگ سا تو گگن ابرال چھایا ہے

مسلماناں کوں نہیں ہے اس برابر کوئی بلا جگ میں
کہ انجھو انکے لہو سیتی پیالے بھر پلایا ہے

خداما قطب شہ کوں بخش توں حرمت اماماں کی

کہ ان کی مدح کا حلقہ مرے کن میں سہایا ہے

دکن میں مرثیے کے اولین نمونے وجہی اور قلی قطب شاہ کے یہاں ملتے ہیں، لیکن بقول ڈاکٹر رشید موسوی دکن میں مرثیہ نگاری کا آغاز سولہویں صدی کے وسط میں ہوا۔ لیکن ہمیں شاہ برہان الدین جانم کا بھی ایک مرثیہ دستیاب ہوا ہے جس کی بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ وجہی اور قلی قطب شاہ سے قبل بھی مرثیہ نگاری کی روایت رہی ہے:

محرم کا چندر پھر گہن پہ لے ماتم ہوا پیدا
محباں کے دلاں میں سب شہاں کا غم ہوا پیدا

ہوا ، ماتم رسول اوپر علی ہور فاطمہ اوپر
نین نرگس کے پھولاں پر انجو شبنم ہوا پیدا

جلی قلبی میں غم بستا سو روحی میں عبا دستہ
پو ہے سری سودا بستا خفی جانم ہوا پیدا

شمالی ہند میں مرثیہ گوئی کا آغاز روشن علی کی ''عاشورنامہ'' (۱۶۸۸ء) سے تسلیم کیا جاتا ہے۔ یہ ''عاشورنامہ'' ڈاکٹر مسعود مسعود حسین خاں کی کوششوں سے شائع بھی ہو چکا ہے۔ روشن علی کے بعد اس سلسلے میں فضل علی فضلی کی ''کربل کتھا'' (۱۷۳۲ء/ ۱۱۴۵ھ) کا ذکر بھی آتا ہے۔ ''کربل کتھا'' دراصل فضلی کی نثری تصنیف ہے جس سے شمالی ہند میں اردو نثر کے ارتقا پر روشنی پڑتی ہے۔ مگر فضلی نے ''کربل کتھا'' میں مختلف شہدائے کربلا کے حال میں جگہ جگہ اشعار موزوں کئے ہیں، جو اس وقت کی مجلسوں میں پڑھے جاتے تھے۔

مرثیہ ایک زندہ اور متحرک صنف سخن ہے۔ شاعری کی مقبول و معروف موضوعی اصناف میں اسے عالمی سطح کی شہرت حاصل ہے۔ اردو مرثیہ کے آغاز و ارتقا میں سب سے اہم اور نمایاں نام مرزا محمد رفیع سودا کا ہے۔ سودا کے معاصرین میں شہنشاہ تغزل میر تقی میر نے بھی مرثیے قلم بند کئے ہیں۔ بقول پروفیسر مسیح الزماں میر کے مرثیوں کی کل تعداد اکتالیس (۴۱) ہے۔ سودا سے پہلے مرثیہ کی کوئی ساخت مقرر نہیں تھی اور شاعری کی مختلف ہیئتوں میں مرثیے قلم بند کئے جاتے تھے۔ سودا نے پہلی بار مرثیہ کو مسدس کی ہیئت سے آشنا کیا، نہ صرف ہیئت بلکہ مواد کے اعتبار سے بھی سودا نے بعض کامیاب تجربے کئے۔ ''تاریخ ادب اردو'' کے مصنف رام بابو سکسینہ کے خیال کے مطابق مسدس کی شکل میں سب سے پہلے سودا نے ہی مرثیے قلم بند کئے۔ مرزا جعفر علی خاں اثر لکھنوی نے بھی اپنی تصنیف ''انیس کی مرثیہ نگاری'' میں لکھا ہے کہ ''جہاں تک تحقیق ہو سکی ہے سودا ہی پہلا شاعر تھا جس نے صنف مسدس میں مرثیہ کہا۔'' سودا نے مرثیے کو ترفع اور عظمت سے ہم کنار کیا۔ اس کو ربط و تسلسل اور فنی عظمتوں سے آشنا کیا۔ اپنے عہد میں

مرثیے کی سب سے اہم خدمت سودانے ہی انجام دی۔سوداہی کے زمانے میں مرثیہ کوادبی وقار حاصل ہوا۔اس سے پہلے مرثیوں میں مذہبی عقیدت وارادت کا پہلونمایاں نظرآتا ہے۔آگے چل کراس کے اجزائے ترکیبی میر ضمیر نے متعین کئے، جن کی پابندی مرثیے میں منطقی ربط وتسلسل قائم رکھنے کے لئے ضروری قرار پائی۔اس راہ پر چل کر میرانیس نے اسے بے پناہ مقبولیت عطا کردی۔ چنانچہ مرثیے کے لئے مسدس کی ہیئت مخصوص ہوگئی۔

اردو مرثیہ-شمالی ہند میں:

صنف مرثیہ ہردواعتبار سے غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔یہ انفرادی حزن و یاس کا مظہر بھی رہا ہے اوراجتماعی غم والم کا بھی۔ ہندوستان میں اردو مرثیے کا آغاز اردوشاعری کے ساتھ ساتھ ہوا۔اردوشاعری کی ابتدادکن سے ہوئی اس لئے اردو مرثیے کے قدیم ترین نمونے بھی دکن میں ہی ملتے ہیں۔محمد قلی قطب شاہ، سلطان محمد قطب شاہ اورعبداللہ قطب شاہ خود بھی شاعر تھے اورشاعری اورشاعروں کی قدردانی بھی کرتے تھے۔ان سلاطین نے بھی اپنے عہد میں مرثیہ کی سر پرستی کی۔ چنانچہ ان کے عہد میں اردو مرثیہ کوخاطرخواہ فروغ حاصل ہوا۔

اٹھارہویں صدی کے نصف دوم میں دہلی کے مرثیہ گویوں میں مصطفیٰ خاں یکرنگ ممتاز حیثیت کے حامل نظر آتے ہیں۔ان کے مراثی شمالی ہند کے اس دور کے ادبی معیار پر پورے اترتے ہیں۔اسی زمانے کے قریب سودااورمیر نے بھی مرثیہ کی جانب توجہ کی اوراپنی شعری صلاحیتوں سے اس صنف شاعری کومعراج بخشی۔سودااورمیر نے اردو مرثیے کے ادبی وقار اورشان وشوکت کا خاص لحاظ رکھااورشاعرانہ موشگافیوں اوراعلیٰ تخلیقی صلاحیتوں کے لئے اس صنف کی راہ ہموار کی۔

سودااورمیر کی زندگی کا آخری حصہ لکھنؤ میں ہی گزرا۔اس وقت تک مرثیے کی شکل کا تعین نہیں ہوا تھا۔سودا نے مختلف ہیئتوں میں مرثیے قلم بند کئے۔ چونکہ سودا کی طبیعت میں وسعت، بلندی اور ہمہ گیری تھی اس لئے انہوں نے تجربات کی منزلوں سے گزرنے کے بعد مرثیہ کے لئے مسدس کی ہیئت متعین کی اورمواد کے اعتبار سے بھی اس میں اضافے کئے۔سودا کواس کا احساس تھا کہ مرثیہ صرف خواص کی چیز نہیں بلکہ اسے عوام بھی سنتے ہیں،اس لئے انہوں نے مغلق اورمشکل الفاظ کو مرثیے سے حتی الامکان دور رکھااورمرثیہ کی زبان کوسہل اوررواں بنانے کی کوشش کی،اوراس کے لئے مسدس کی ہیئت متعین کی۔

سودا کے ہم عصر میر تقی میر نے بھی کامیاب مرثیے کہے۔سودااورمیر کا موازنہ کرنے پراندازہ ہوتا ہے کہ سودا کے مراثی میں تخیل کی ندرت نمایاں طور پر کارفرما ہے اوران کے کلام میں دردواثر اورلہجہ میں سوز وگداز ہے،جبکہ میراپنے مرثیوں میں اثرانگیزی نہیں پیدا کرسکے۔ان کے مرثیوں میں وہ نشتریت نہیں جوان کی غزلوں کا خاصہ ہے۔البتہ میر نے مرثیہ کوفنی اعتبار سے ضرور بلند کیا۔

سوداومیر کے بعد فصیح، دلگیر، ضمیراورخلیق نے اردو مرثیے کی آن بان اورشان میں اضافے کئے،اسے نیاروپ بخشا اور حیات دوام عطا کی۔ فصیح کے مرثیوں میں جذبات نگاری اورواقعات نگاری کے پہلو بہ پہلوالمیہ کا عناصر بھی بہتات ہے۔دلگیر کے یہاں زبان کی صفائی اور بندش کی چستی اپنارنگ دکھاتی ہے۔ضمیر نے پہلی بار مرثیے کوتحت اللفظ پڑھنے کا رواج دیااورمرثیے کے

اجزا کو ایک متعین شکل دی۔ اس میں چہرہ اور سراپا کا اضافہ کیا۔ واقعات کربلا کی تمام کڑیوں کو جوڑنے کی کوشش کی جس کے سبب مرثیہ وسعت آشنا ہوا، اور مرثیے کی فضا جو فقط سینہ کوبی سے گونج رہی تھی اس میں دفعتاً تلوار کی جھنکار، ہیرو اور تلوار کی تعریف، رجز، جنگ، شہادت وغیرہ کا ذکر نئے اور پُراثر انداز میں ہوا۔

خلیق اور ضمیر مرثیہ گوئی میں دلگیر اور فصیح کے مقابلے میں زیادہ کامیاب ہوئے۔ خلیق اپنے زمانے میں غزل کے استاد مانے گئے، لیکن ان کو شہرت دراصل مرثیہ گوئی کے سبب حاصل ہوئی۔ انہوں نے اردو مرثیے کے پیکر بے جان میں روح لطیف ڈالی، اسے اظہار غم کی منزل سے نکال کر ادبی مقام و مرتبہ عطا کیا۔ ناسخ کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ اپنے شاگردوں سے کہا کرتے تھے کہ بھائی زبان سیکھنی ہو تو میر خلیق کے ہاں جایا کرو۔

میر انیس میر خلیق کے صاحبزادے تھے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ انیس کے کلام میں خلیق کا رنگ نمایاں ہے۔ میر انیس نے بھی اپنے پدر بزرگوار کی خوش گوئی کا ان الفاظ میں ذکر کیا ہے:

خلق میں مثل خلیق اور تھا خوش گو کوئی کب
نام لے دھولے زباں کوثر و تسنیم سے جب

اختتامیہ:

اوپر ذکر آچکا کہ میر ضمیر نے اردو مرثیے کے اجزائے ترکیبی متعین کئے۔ انہوں نے مرثیے میں کافی وسعت اور جدت پیدا کی۔ کہا جاتا ہے کہ میر ضمیر پہلے صاحب طرز مرثیہ گو ہیں۔ ان کے کلام کی تمام خوبیاں نمایاں طور پر ان کے جانشین میر انیس اور مرزا دبیر کے یہاں پائی جاتی ہیں۔ انیس و دبیر نے اردو مرثیے کو کمال عروج تک پہنچایا۔ آئندہ صفحات میں اردو کے ان دو آفاقی شہرت رکھنے والے مرثیہ گویوں (انیس و دبیر) کی حیات، ادبی پس منظر اور ان کی مرثیہ گوئی کا جائزہ لیا جا رہا ہے۔

مشق کے لئے سوالات:

(۱) مرثیہ کیا ہے؟ اس کے اجزائے ترکیبی بیان کیجئے۔

(۲) دکن میں اردو مرثیہ کی روایت پر روشنی ڈالئے۔

(۳) اردو مرثیہ کے ارتقا پر ایک مضمون قلمبند کیجئے۔

مزید مطالعہ کے لئے کتب:

اردو مرثیہ کا ارتقا : مسیح الزماں

اردو مرثیہ : علی عباس حسینی

دکن میں مرثیہ اور عزاداری : رشید مولوی

مشکل الفاظ کے معنی:

الفاظ	معنی
اصطلاح	کسی علمی یا فنی کا کسی لفظ کے عام معنوں کے علاوہ کوئی خاص مفہوم مقرر کر لینا
اصناف	صنف کی جمع
مصائب	مصیبت کی جمع
رفقا	رفیق کی جمع
سانحہ	صدمہ پہنچانے والے واقعہ
رجز	جنگ میں پڑھنے والے اشعار عروض کی ایک بحر
حزن	رنج، ملال، غم